

قومی کردار کی تعمیر

ڈاکٹر محمد رفیع الدین[°]

قومی کردار کے متعلق بامعنی اور تعمیری بحث کرتے وقت درج ذیل سوالوں پر غور کرنا ہوگا:
 • قوم کی تعریف کیا ہے؟ • کردار کے معنی کیا ہیں؟ • قومی کردار کیسے تشکیل پاتا ہے؟ • وہ کون سے بنیادی عوامل ہیں جو ہمیں ایک قوم بناتے ہیں؟ اور • پاکستانی قوم میں اعلیٰ اور بہترین پایہ کے قومی کردار کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے؟

قوم کی تعریف

القوم افراد کے ایسے مجموعے کا نام ہے جو ایک مشترک نظریہ حیات پر یقین رکھتے ہوں۔ کسی قوم کا نظریہ حیات اس قوم کے مخصوص نفیاتی اور تعالیٰ ماحول کے مطابق مطلوبہ اوصاف یا اجزاء ترکیبی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک قوم اس لیے قوم ہے کہ وہ قومی انداز میں سوجتی ہے اور اس کی سوچ اس لیے قومی ہوتی ہے کہ اس کے تمام افراد اس نظریہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ قومی نصب ایمنی یا آئینہ میل کے اجزاء ترکیبی میں نسل، زبان، رنگ و ثقافت، تاریخ، عقیدہ و مسلک اور فلسفہ یا نہب خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ کسی آئینہ میل میں یہ تمام اجزاء شامل ہوتے ہیں اور کسی میں بعض۔

کردار کی معنی

کردار کو ذہن نشین کرنے سے پہلے ہمیں نظریہ حیات کی مزید وضاحت کرنا ہوگی۔ کردار سب سے پہلے فرد کی زندگی میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی جبلت اور فطرت کے مطابق کسی نہ کسی نظریہ حیات کو اپنانے پر مجبور ہے جو مندرجہ ذیل پانچ شرائط پوری کرتا ہو:

[°] سابق ڈاکٹر، اقبال اکیڈمی، کراچی [م: نومبر ۱۹۶۵ء]

- وہ نصب اعین دوسرے تمام نظریات سے زیادہ پُرکشش اور محبت کے لائق ہو۔
- اس میں اتنی جاذبیت ہو کہ فرد کے جملہ خیالات پر چھا جائے۔ اسے ایک مثالی آورش بنایا جاسکے۔
- یہ آئندہ میں بلند ہو یا پست، دل کش ہو یا قابلِ نفرت، صحیح ہو یا غلط، مکمل ہو یا نامکمل، عام گیر ہو یا علاقائی، تاہم فرد کے لیے اس میں دل کشی، پسندیدگی اور سچائی کی وہ جملہ خوبیاں موجود ہوں جو اس کی یاد و سروں کی نظر میں کچھ اہمیت رکھتی ہیں۔
- جو فرد کے لیے ایک ایسے پیانہ، معیار اور کسوٹی کا کام دے سکے، جس پر صحیح اور غلط، اچھے اور بُرے، خوب صورت اور بدشکل کو پرکھا جاسکے۔ جو یہ بتا سکے کہ کس چیز کو قبول کیا جائے اور کون سی کو مسترد۔ جس سے یہ پتہ چل سکے کہ کون سی چیز محبت کرنے کے لائق ہے اور کون سی قابلِ نفرت۔ جو یہ بتا سکے کہ کون کون سے کام کرنے کے لئے اور کون کون کاموں سے پرہیز بہتر ہے۔
- وہ نظریہ شخصی زندگی پر اس طرح حاوی ہو جائے کہ اس کی تمام سرگرمیاں اسی کے تابع ہو جائیں۔ عادات و خصائص، عقائد و اعمال، خیالات و جذبات، مرغوبات و میلانات، آرزو و ارخواہش غرض یہ کہ ہر چیز پر اس نصب اعین کی گہری چھاپ ہو۔
- انھی چیزوں سے شخصی کردار نشوونما پاتا ہے۔ انسانی کردار فطرت آرتقی پذیر ہوتا ہے۔ جوں جوں اس کے شعوروں و آگئی کی سطح بلند ہوتی ہے اور اپنے نظریہ کے مطابق عمل کرتا ہے، اسی حساب سے اس کا کردار ترقی کرتا ہے۔ کردار کی بنیاد چونکہ نظریہ پر ہوتی ہے، اس لیے ایک شخص کا نظریہ حیات جس قدر بلند یا پست، اچھا یا بُرا، دل کش یا بھونڈا ہو گا، اسی قدر اس کا کردار بلند یا پست اور اچھا یا بُرا ہو گا۔

قومی کردار کیسے ابھرتا ہے؟

چونکہ ایک قوم کے تمام افراد کسی ایک مشترک نظریے کے قائل اور پیروکار ہوتے ہیں۔ اس کی بقا اور ارتقا کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے اندر مشترک عادات و خصائص، میلانات و مرغوبات، عقائد و خیالات، جذبات و محسوسات، امنگ و خواہشات ترقی کر کے کردار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ہر قوم اپنا جدگانہ کردار رکھتی ہے جس کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے۔

جب اس نصب اعین پر عملی زندگی کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے تو وہ قومی آئیندیل بن جاتا ہے۔ اسی لیے ہر قوم کو ایک نظریاتی گروہ کہتے ہیں۔ قویں یا نظریاتی فرقے نسیاتی طور پر اسی طرح ترقی کرتے ہیں جس طرح مختلف عناصر حیاتیات کے مراحل سے گزرتے ہیں۔ جس طرح ہر عصر اپنا منفرد و جود اور خاص خصوصیات رکھتا ہے بعینہ ہر قوم اپنی جدا گانہ نظریاتی حیثیت یا کردار رکھتی ہے۔

تعمیر قوم کیے بنیادی عوامل

ہم محض اس لیے ایک الگ قوم نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مصنوعی حالات نے ہمیں ایسا بنادیا ہے، بلکہ اس لیے ایک قوم ہیں کہ بعض قدرتی اسباب اور فطری عوامل ہماری قومیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ مسلمان قوم کی تعمیر کرنے والے یہ عوامل (دوسری قوموں کی طرح) علاقائی زبان، نسل، رنگ، شافت یا تاریخ نہیں بلکہ اسلام کے اس زندہ عقیدے پر پہنچتے یقین ہے جس کا بنیادی پتھر خدا نے واحد پر ایمان لانا ہے۔

ہمارا وطن پاکستان جغرافیائی لحاظ سے کئی خطوط میں تقسیم ہے۔ ان میں سے ہر خطہ اپنی جدا گانہ شافت، تاریخ اور زبان رکھتا ہے۔ اندریں حالات اگر ہر خطہ اپنی علاقائی زبان، تہذیب و ثقافت، تاریخ یا نسل کو اپنی توجہ کا مرکز اور قومی آئیندیل بنالے تو قومی کردار کی تعمیر کیسے ہو سکتی ہے؟ لیکن اگر تمام خطے اسلامی نظام حیات کو مشترک آئیندیل کے طور پر اپنالیں تو نہ صرف علاقائی زبان، نسل، تہذیب و ثقافت اور تاریخ و تمدن کے بہت پاش ہو جائیں گے بلکہ ملی شعور اور قومی کردار بھی فروغ پاسکے گا۔

اعلیٰ اور بلند پایہ قومی کردار کا فروع

اس سوال کا جواب ہم ”کردار کی تعریف“ کے ضمن میں دے چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا پکا ہے کہ قومی کردار ان عادات و خصائص، میلانات و مرغوبات، عقائد و خیالات، جذبات و محسوسات اور امنگ و خواہشات کے مجموعے کا نام ہے جو کسی قوم کے افراد میں مشترک طور پر پائے جاتے ہوں اور ان کی بنیاد ایک مشترک نصب اعین پر ہو۔

اس سے ظاہر ہوا ہے کہ اگر ہم اپنے قومی کردار کی تشکیل اعلیٰ اور بلند ترین پیگانے پر کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایک اعلیٰ ترین مقصدِ حیات اور بلند ترین آورش کو قومی نصب اعین بنانا ہو گا۔

ہمیں ایسا مثالی نظریہ اختیار کرنا ہوگا جو ہر لحاظ سے دل کش، جاذبِ نظر اور درست ہو۔ وہ نظریہ ایک اور صرف ایک ہو سکتا ہے، یعنی اسلام کا نظریہ توحید۔ ہم اس سے زیادہ بلند، بہتر، مکمل، سچ اور عالم گیر نظریے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

پس، اگر ایک طرف ملک کے جغرافیائی حالات کے تحت اسلامی ضابطہ حیات کو قومی آئیندیل کے طور پر اپنانا ہماری سیاسی ضرورت ہے، تو دوسرا طرف اعلیٰ درجے کے کردار پیدا کرنے کے لیے ہماری نفسیاتی ضرورت بھی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری فطرت کے غیر مستحکم اصول بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ بلند مرتبہ قومی کردار صرف اسی صورت میں اُبھر سکتا ہے، جب ہم اعلیٰ ترین اصولوں کو قومی نصب اعین بنائیں، اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ نصب اعین صرف اسلام ہو سکتا ہے۔

اسلامی نظریہ حیات کو قومی آئیندیل بنانے کا اولین تقاضا یہ ہے کہ خدا پر ہمارا غیر متنزل اور مستحکم یقین ہو۔ یہ اس یقینِ حکم ہی کا کرشمہ تھا کہ ہندستان کے مسلمانوں نے اپنے سے کہیں طاقت و راور با اثر انگریز اور ہندو قوم سے تکریں اور اپنی جدوجہد میں حریت انگریز کا میانی حاصل کر کے پاکستان بنالیا۔ اس کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے نظریے سے جنوں کی حد تک پیار کریں۔ ہماری زندگی کے سیاسی، اخلاقی، عسکری، قانونی، معاشری، تعلیمی اور معاشرتی غرضیکہ تمام شعبوں میں اسے فیصلہ کن طاقت کا مقام حاصل ہو۔ ہم جس قدر جلد یہ قدم اٹھا سکیں ہمارے حق میں اسی قدر بہتر ہے۔

جب ایک آورش یا آئیندیل کے ساتھ کسی فرد یا قوم میں سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے، تو اس کے تمام عقائد و نظریات، خیالات و محسوسات، میلانات و مرغوبات، عادات و اطوار، علم و عرفان، ارادے اور طریق کار، امنگ اور خواہشات پر اس آئیندیل کی گہری چھاپ لگ جاتی ہے۔ گویا ایک نصب اعین شخص یا قومی کردار کی اسی طرح تعمیر کرتا ہے، جس طرح مناسب کاشت اور آپاشری سے ایک بیچ کا دانہ تاواز درخت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مناسب تعلیم و تربیت سے ہم قومی آئیندیل کو قومی کردار میں ڈھال سکتے ہیں۔ ایک بیچ سے وہی پودا اُگتا ہے جس کی قوتِ نمو اس بیچ میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہم ایک قومی نصب اعین منتخب کر کے اسی نوعیت کا قومی کردار پیدا کر سکتے ہیں، جس کی صلاحیت اس نصب اعین میں ہوگی۔ خدا کا تصور اپنی فطرت کے اعتبار سے وہ واحد نظریہ حیات ہے، جس سے بہترین اور اعلیٰ پایہ کا قومی کردار فروغ پاسکتا ہے۔

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ ہمیں اسلام کے محض مسلمہ اسلامی اصولوں، مثلاً مساوات انسانی، آزادی، انصاف، صداقت، اخوت، جرأت، بُرداری اور دیانت داری وغیرہ کو اپنا لینا چاہیے اور نظریہ توحید پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیے، اس سے قومی کردار کی تشکیل میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔ لیکن ایسا کرنا ہمارے لیے عملانہ ممکن ہے کیونکہ مسلمہ عالم گیر اخلاقی اصول نظریہ توحید کی اسی طرح وکالت کرتے ہیں جس طرح کسی درخت کا پنج خاص طرح کے پتوں اور پھولوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص تازہ اور مہکتے ہوئے پھولوں کا شوقین ہے تو اسے خود اپنے باغ میں ان پھولوں کا پودا لگانا اور اس کی نگہداشت کرنی ہوگی ورنہ اسے باسی، پڑھمردہ اور کاغذی پھولوں پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ جس طرح پھول درخت سے ٹوٹنے کے بعد مر جھا جاتے ہیں، اسی طرح سچے اور عالم گیر اخلاقی اصول اپنے اصل سرچشمہ توحید سے ٹکٹنے کے بعد مردہ اور بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم کسی شخص سے یہ موقع کرتے ہیں کہ وہ ان اخلاقی اصولوں کی پیروی کرے تو پہلے ہمیں یہ تسلی کرنی ہوگی کہ وہ خدا کو آئیڈیل بنائے اور اس آئیڈیل سے سچا اور بھرپور پیار کرے۔ چونکہ سچے اور عالم گیر اخلاقی ضابطوں کا منع و سرچشمہ نظریہ توحید ہے، اس لیے ان پر وہی شخص عمل پیرا ہو سکتا ہے جو اس نظریے کا قائل اور چاہنے والا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق کسی نہ کسی نظریے سے محبت کرتا ہے۔ اگر اسے نظریہ توحید پسند نہیں تو لازماً اس سے فروتكسی دوسرے نظریے کو اعمال کا مرکز بنائے گا اور اسی کو ایسا معیار مان لے گا جس پر بُرے اور بھلے، سچ اور جھوٹ، دل کش اور بد نما کو پر کھا جاسکے۔ اسی نظریے کی روشنی میں وہ یہ طے کرے گا کہ کس چیز کو قبول کیا جائے اور کس کو مسترد، کس سے محبت کی جائے اور کس سے نفرت، کون سا کام کیا جائے اور کون سا نہیں؟ اگر ایسا شخص زبان سے اخلاقی اصولوں کی پیروی کا دم بھرتا ہے، تو سمجھ لو یا تو وہ دانستہ اپنے باطل نظریات کو چھپا رہا ہے یا ان کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ نہیں ہے۔ یعنی اندر ہیرے میں ناکٹوئیاں مار رہا ہے۔ جس طرح ہم بول کے درخت سے آم حاصل نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح غلط نظریہ حیات کو اپنا کر اپھے قومی کردار کی موقع نہیں کر سکتے۔

بظاہر برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکا اور دنیا کے دوسرے کمیونٹی ممالک میں خدا پر ایمان ایک مسلمہ اصول کی حیثیت رکھتا ہے، تاہم وہاں خدا کو آئیڈیل کا درجہ حاصل نہیں، ان کا آئیڈیل

سیکولرنیشنلزم ہے۔ ان کے نزدیک سیکولرنیشنلزم آئینہ دیل کی ان پانچوں شرطوں پر پورا اُرترا تھا ہے جو ہم ابتدا میں بیان کرائے ہیں۔ نظریہ توحید ان کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ انگریز قوم کی اکثریت اگرچہ خدا کو مانتی ہے لیکن عملانیشنلزم ان کے نزدیک تمام نظریات سے بالاتر اور پسندیدہ ہے اور نظریہ توحید کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ان کے تمام اعمال و افعال، عقائد و نظریات، اقدار و روايات اور جذبات و میلانات کا معیار نیشنلزم (جذبہ قومیت) ہے نا کہ خدا کا تصور۔ اگر کسی معاملے میں دینی تقاضے قومی تقاضوں سے متصادم ہوں، تو انگریز قوم بے دھڑک دینی تقاضوں پر قومی تقاضوں کو ترجیح دیتی ہے۔ ایک لا دین اور نیشنلزم کی پیغمباری قوم سے اس کے علاوہ اور کیا موقع کی جاسکتی ہے۔ پاکستان میں متعدد مذاہب کے پیرو م موجود ہیں، مثلاً مسلمان، عیسائی، ہندو اور پارسی۔

اس لیے ہمیں ریاست کے سرکاری فلسفہ میں توحید اور اس سے وضع کیے گئے ان معروف و مسلمه اخلاقی اصولوں کو شامل کرنا چاہیے جن کے بارے میں مختلف مذاہبوں کے درمیان کوئی اختلاف رائے نہیں۔ ایسا کرنا نہ صرف ملکی حالات کا تقاضا ہے بلکہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن پاک میں ہے: اے اہل ایمان! اس اصول کی طرف لوٹ آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان قدیر مشترک ہے۔ یعنی ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اپنے ہم جنسوں کو اپنا آقا اور مالک بھی نہیں مانتے۔

اس کا ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ ہم سرکاری طور پر ایک ایسے بنیادی اور مشترک اصول کو اپنے نظریہ حیات کی اساس بنالیں گے جو پاکستان کے تمام مذہبی فرقوں کے فلسفہ حیات کا سنگ بنیاد ہے۔ اس طرح تمام مذہبی فرقوں کے اہم ترین جذبات۔۔۔ مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھا کر سارے فرقوں کو ایک متجانس (*Homo Genous*) قوم میں ڈھال سکیں گے۔ پوری قوم کا ایک مشترک آئینہ دیل ہو گا جسے اپنانے میں ہم مسرت اور فخر محسوس کریں گے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ فرقہ وارانہ اور مذہبی اختلافات پر اس حد تک قابو پالیا جائے گا کہ ہر فرقہ اپنی حد تک انھیں عزیز رکھے۔ اس طرح فرقہ وارانہ کشیدگی اور تینی ختم ہو جائے گی۔ اس مشترک فلسفہ حیات کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے فرقوں کو ان کے مذہب کے مطابق عقیدہ و عمل کی مکمل آزادی دی جاسکے گی۔ اس سے ایک طرف ہم غیر مسلم اقلیتوں کے عقائد و عبادات میں مداخلت سے باز رہ سکیں گے، دوسری طرف

اس فلسفہ حیات سے انھیں اضافی مدد مہیا کر سکیں گے۔ اس سے ملک کے تمام فرقوں (مسلمان، عیسائی، ہندو، پارسی) کے درمیان یا گانگت اور ہم آہنگی بڑھے گی۔ تمام فرقے خدا کے ایک کنہ کی مانند رہ سکیں گے جس میں مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف نفرت یا بدخواہی کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ سب فرقے ایک مشترک قومی احساس کے تحت اتحاد اور تعاون کی فضایں کام کر سکیں گے۔ سچے محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے ہمیں اس بات پر خاص توجہ دینی ہوگی کہ یہاں کا ہر شہری خدا تعالیٰ پر ایمان کو ایسی زندہ اور فعال قوت بنالے جو اس کی سرکاری اور غیر سرکاری سرگرمیوں پر غالب ہو۔ اس کے لیے ہمیں ایک مخصوص نظام اختیار کرنا ہوگا، جو ہمیں منزل مقصود تک پہنچا دے۔

کسی قوم کے اتحاد، سالمیت اور کارکردگی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی واضح مقصد اور نظریہ حیات ہے یا نہیں؟ اگر کوئی نظریہ ہے تو قوم میں اس کے لیے کتنی ترپ اور لگن موجود ہے؟ یہ نظریہ ان کے قوی مزاج اور روایات کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے، تو آیا اس آئیندیل میں ایسی خوبیاں موجود ہیں جو خود بخود لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائیں؟ اگر اس میں یہ خوبیاں موجود نہیں، تو بڑے سے بڑا معلم بھی اپنے تعلیمی منصوبوں اور انتظامات کے باوجود لوگوں کے جذبات کو اس حد تک بیدار نہیں کر سکتا کہ لوگ اس نظریے پر فریفہتہ ہو جائیں۔ اگر کسی نظریے میں داخلی اور باطنی خامیاں موجود ہیں، تو اس کے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ ہم پاکستانی اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب ہیں کہ ہمارے پاس ایسا نصب اعین موجود ہے جو تمام شرطیں پوری کرتا اور اپنے اندر جملہ خوبیاں رکھتا ہے۔

جونظریات مصنوعی اور نمایشی طور پر کسی قوم کو عزیز ہوں انھیں خود ہی قوم چیلنج کر دیتی ہے، مثلاً بھارت میں وہاں کی اقلیتوں نے انڈین نیشنلزم کے نظریہ کو چیلنج کر دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا نصب اعین ایک حقیقی اور قابل عمل ہے۔ وہ ہمارے مزاج، روایات اور نفیسات سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ اسے دل کی گہرائیوں میں جگہ دیں۔ کمیونٹیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سائنس اور تکنالوجی کے شعبوں میں انسان کی تمام ترقی کے باوجود خدا کا تصور آج بھی اتنا ہر دفعہ زیز، نیا، تازہ اور جبلت انسانی کے

قریب ہے، جتنا پہلے بھی نہ تھا۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بنی نوع انسان کو اس نظریے کی آج جتنی ضرورت ہے شاید ماضی میں کبھی نہ تھی۔

موجودہ دور میں انسانی حالات کا جو مفکرانہ مطالعہ کیا گیا ہے، اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ قومی نسب اعین کے طور پر سیکولر نیشنلزم کی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہیں اور اس کی وجہ انسان اور کائنات کے مختلف نظریے لے رہے ہیں۔ دُنیا کی جدید ترین ترقی یافتہ ریاستیں بھی دراصل نظریاتی ریاستیں ہیں، جنہوں نے فرد کی رہنمائی کے لیے بزعم خویش صحیح یا غلط، چند اصول بنالیے ہیں۔ ان میں روس اور چین ہی نہیں امریکا بھی شامل ہے۔ کیونکہ امریکی قوم کے نزدیک جمہوریت نہ صرف ایک بہترین نظام حکومت ہے بلکہ ایک نظام حیات بھی۔ چنانچہ انہوں نے جمہوریت کو قومی آئینہ میں بنالیا ہے۔ بہت سی قومی ریاستیں جو کسی زمانے میں آسمانِ سیاست پر درخشنده ستاروں کی طرح چمکتی تھیں، آج رو بہ زوال ہیں۔ بعض نئی قومی ریاستیں بھی جوان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہیں اسی صورتِ حال سے دوچار ہیں اور تیری سے کمیونزم کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ آج نیشنلزم کی مٹی اس طرح پلید ہو رہی ہے جیسے ماضی میں قبائلی نظام کی ہوئی تھی۔

ارتقا کی تند و تیز لہریں نسل انسانی کو ایک ایسی عالمی ریاست کی طرف کشاں کشاں لیے جا رہی ہیں جس کی اساس انسان اور کائنات کے فلسفہ پر ہوگی۔ ظاہر ہے یہ فلسفہ کیونزم نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اس بات کو درست تسلیم کر لیں کہ ارتقائی عمل تیزی سے اس نقطہ عروج تک پہنچنا چاہتا ہے جہاں پوری دُنیا ایک مکمل معاشرے کی شکل اختیار کرے گی، تو ہمیں یہ بات بھی لازماً ماننا پڑے گی کہ اس معاشرے کی بنیاد ایک مکمل اور جامع نظریے۔۔۔ خدا کے تصور پر ہوگی۔ انسانی ارتقا جو دراصل نظریاتی ارتقا ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر اہل پاکستان خدا کے تصور کو اپنا قومی آئینہ میں بنالیں، تو پاکستان آئینہ وجود میں آنے والی عالم گیر ریاست کا نقطہ اجتماع اور مستقبل کے مکمل ترین معاشرے کا مرکز ہوگا۔ اس کے علاوہ اپنے قومی نظریے کی بنیاد پر پاکستان دوسری اقوام کے ساتھ خیز سکالی اور دوستی کے رشتے بھی قائم کر سکے گا۔ دوسری ریاستوں کے ساتھ ایسے دوستانہ تعلقات اسی صورت میں قائم ہو سکتے ہیں جب عالم گیر ریاست کے شہریوں کو پاکستان پر اعتماد ہو۔ دوسری اقوام کے ساتھ اس کا سلوک منصفانہ اور دیانت دارانہ ہو اور عالمی اتحاد قائم کرنے کے لیے

خود پاکستان دوسروں کے ساتھ تعاون کرے۔ اگر خدا ترس اور خدا سے محبت کرنے والی قومیں بھی اپنے معاملات میں انصاف پسند، دیانت دار، پر امن اور قابلِ اعتماد ثابت نہ ہوں، تو دوسری قوموں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ میں اس مقامے کو علامہ اقبال اور قائدِ اعظمؐ کے ارشادات سے دواقتباً سات پر ختم کرتا ہوں۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں سالِ نو کے پیغام، میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا: دُنیا بھر کے مفکر اور دانش و رحیران و پریشان ہیں کہ کیا جدید تہذیب اور ارتقا کا انجام یہی ہوگا کہ انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جائیں اور روئے زمین پر حیاتِ انسانی کا وجود ناممکن ہو جائے؟ یاد رکھو! انسان دُنیا میں فقط اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے اور ترقی پاسکتا ہے جب وہ انسانیت کا احترام کرنا سیکھ لے۔ جب تک انسان انسانیت کا احترام کرنا نہیں سیکھتا یہ دُنیا خونخوار درندوں کی شکارگاہ بنتی رہے گی۔ قوموں کے درمیان صرف وہی اتحاد پائیدار اور قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے جس کی بنیاد برابری پر ہو۔ جو نسل، قومیت، رنگ اور زبان کے امتیازات سے پاک اور بالآخر ہو۔ جب تک یہ نام نہاد جمہوریت، یہ منہوس نیشنلزم اور یہ ذلیل ملوکیت فنا نہیں ہو جاتی اور لوگ اپنے اعمال سے اس یقین کا اظہار نہیں کرتے کہ پوری دُنیا خدا کا کنبہ ہے، جب تک دُنیا میں نسل، رنگ اور جغرافیائی قومیتوں کے بہت موجود ہیں، انسان ایک خوش حال اور سکون بخش زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اخوت، مساوات اور آزادی کے دل کش نفرے میں ایک ڈھونگ ہیں۔

اس طرح جون ۱۹۳۵ء میں ایک تقریر کے دوران قائدِ اعظم محمد علی جناح نے فرمایا: حصول پاکستان سے ہمارا مقصد مغضن آزادی حاصل کرنا نہیں بلکہ اس اسلامی نظریہ حیات کو فروع دینا ہے جو قدرت کی طرف سے ہمیں قیمتی عطاے اور بیش بہا خزانے کی شکل میں ملا ہے۔ امید ہے کہ دوسری قومیں بھی اس سلسلے میں ہم سے تعاون کریں گی۔

اسلامی نظریہ حیات کے فروع میں دوسری قومیں اس طرح تعاون کر سکتی ہیں کہ وہ بھی اس نظریے کے اہم ترین جزو، یعنی خدا کے تصور اور اس سے مانعوذ عالم گیر اسلامی اخلاقی اصولوں کو اپنائیں۔ اس لیے صرف یہی نظریہ ہمارے اعلیٰ اور بلند پایہ کردار کی بنیاد بن سکتا ہے۔